فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۵۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا نظر کی حقیقت ہے؟

جواب: اچھی اور بری نظر دونوں کی حقیقت ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْعَيْنُ حَقٌّ. ''نظر لگنا برحق ہے۔''

(صحيح البخاري : 5740، صحيح مسلم : 2187)

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا .

''نظر لگ جانا حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جانے والی ہوتی تو نظر اس پر سبقت لے جاتی اور آپ سے غسل کا مطالبہ کیا جائے، تو غسل کریں۔''

(صحيح مسلم : 2188)

❀ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي بَيْتِهَا جَارِيَةً فِي وَجْهِهَا سَفْعَةٌ، فَقَالَ : اسْتَرْقُوا لَهَا، فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ .

''نبی کریم ﷺ نے میرے گھر میں ایک بچی دیکھی، جس کے چہرے پر دھبے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو دم کروائیں، اسے نظر لگی ہوئی ہے۔''

(صحيح البخاري : 5739، صحيح مسلم : 2197)

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے لئے پناہ طلب کرتے اور فرماتے: آپ کے بزرگ دادا (ابراہیم) بھی ان کلمات کے ذریعہ اسماعیل اور اسحاق کے لیے پناہ طلب کرتے تھے:

اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ .

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ ہر ایک شیطان سے، ہر زہریلے جانور اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر بد سے۔''

(صحيح البخاري :3371)

سوال: کیا اونگھ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (مسلم :۳۷۶)

سوال: جوتوں میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: صحیح احادیث سے جوتا پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔

❀ علامہ منبجی حنفی رحمہ اللہ (۶۸۶ھ) فرماتے ہیں:

''متواتر احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جوتا پہن کر نماز پڑھی۔''

(اللُّباب في الجمع بين السّنة والكتاب :326/1)

جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، ضروری نہیں۔

❁ سعید بن یزید بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ .

''سعید بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت نماز پڑھ لیا کرتے تھے؟ فرمایا: جی ہاں!''

(صحيح البخاري : 386، صحيح مسلم : 555)

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے پہن کر نماز پڑھائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جوتوں سمیت نماز ادا کی، پھر دوران نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے اتار دیئے، یہ دیکھ کر صحابہ نے بھی جوتے اتار دیئے، نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے جوتے کیوں اتارے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کے رسول! آپ کو دیکھا تو اتار دئے، فرمایا: مجھے جبریل نے بتایا تھا کہ جوتا نجاست آلود ہے، آپ مسجد آنے سے قبل جوتا دیکھ لیا کریں، اس میں نجاست ہو، تو اتار دیا کریں، ورنہ اسی میں نماز ادا کر لیا کریں۔''

(مسند الطّيالسي، ص 286، مسند الإمام أحمد : 20/3، سنن أبي داوٗد : 650، مسند ابن حميد : 880، مسند أبي يعلى : 1194، السنن الكبرٰى للبيهقي : 406/2، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۱۰۱۷) اور امام ابن حبان رحمہما اللہ (۲۱۸۵) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ حاکم رحمہ اللہ (۱/۲۶۰) نے اس کو امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

۞ حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(خلاصة الأحكام : 319/1)

سوال: نفاس کی مدت کتنی ہے؟

جواب: نفاس کی کم سے کم مدت مقرر نہیں، البتہ زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے۔

۞ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''نفاس والی چالیس دن نماز روزے سے رُکے گی۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 28/4، السنن الكبرٰى للبيهقي : 341/1، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد کے اہل علم کا اجماع ہے کہ نفاس والی چالیس دن تک نماز نہیں پڑھے گی۔ ہاں اس سے پہلے پاک ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے گی۔ اگر وہ چالیس دن کے بعد بھی خون دیکھے تو اکثر اہل علم کے نزدیک وہ نماز پڑھتی رہے گی۔ اکثر فقہاءِ کرام کا یہی قول ہے۔ یہی بات امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ نے کہی ہے۔''

(سنن التّرمذي، تحت الحديث : 139)

تنبیہ:

اس بارے میں مروی ساری کی ساری مرفوع احادیث ''ضعیف'' ہیں۔ البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے اور اجماع امت نے ان سے مستغنی کر دیا ہے۔

سوال: عملی نفاق سے کیا مراد ہے؟

جواب: عملی نفاق سے مراد وہ خصلتیں ہیں، جو نفاق تک پہنچنے کا سبب بن سکتی ہیں،

مثلاً جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، گالم گلوچ وغیرہ۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ؛ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ .

''منافق کی تین نشانیاں ہیں؛ جب بات کرتا ہے، تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے، تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔''

(صحيح البخاري : 33، صحيح مسلم : 59)

سوال: اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اپنی زندگی میں اولاد میں جائیداد تقسیم کی جا سکتی ہے، مگر اس صورت میں لڑکے اور لڑکی کا حصہ برابر برابر ہے، اس میں میراث والے قوانین لاگو نہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شریعت کے دائرہ میں خود مختار بنایا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جیسے چاہے استعمال کرے، لیکن اس استعمال میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قوانین کو پامال نہ کرے۔

مال و جائیداد بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، اس میں بھی انسان اپنی مرضی سے جائز تصرف کا حق رکھتا ہے۔ اسی بنا پر ایک مسلمان زندگی میں اپنی اولاد کو اپنا مال تقسیم کر سکتا ہے اور جتنا چاہے اپنے لیے رکھ سکتا ہے۔

یاد رہے کہ زندگی میں یہ تقسیم بہ ضابطہ میراث نہیں ہوگی، کیونکہ وراثت اس مال کا نام ہے، جو انسان کے مرنے کے بعد غیر اختیاری طور پر اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے، البتہ جو انسان زندگی میں اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو وہ قانون ہبہ کے مطابق

ہی تقسیم کر سکتا ہے۔

جب انسان اپنی زندگی میں کسی کو بلا معاوضہ کوئی چیز دے، تو یہ ہبہ یا ہدیہ یا عطیہ کہلاتا ہے۔ ہبہ یا ہدیہ کے حوالے سے چند ایک اسلامی قوانین ملاحظہ فرمائیں:

① ہبہ میں بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر حصہ ملے گا۔

② ہبہ کی صورت میں کچھ اولاد کو دینا اور کچھ کو محروم کر دینا ظلم ہے۔

③ اگر بعض اولاد کو دیا اور بعض کو محروم کر دیا، تو یہ تقسیم فسخ ہو جائے گی اور اس ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا واجب ہو گا۔

④ اگر باقی اولاد کی رضامندی سے کسی بیٹے یا بیٹی کو کوئی چیز ہبہ کی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

⑤ ہبہ کی صورت میں اولاد میں سے کسی کو دوسروں سے زیادہ دیا جائے اور باقی اولاد کو اعتراض نہ ہو، تو بھی جائز ہے۔

⑥ باپ اپنی اولاد سے ہبہ کردہ چیز کسی بھی وقت واپس لے سکتا ہے۔

⑦ شکم مادر میں پرورش پانے والے بچے کو کوئی چیز ہبہ نہیں کی جا سکتی، البتہ اس کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے۔

⑧ ہبہ قبول کرنا چاہیے، خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ ہبہ ردّ کرنا پسندیدہ فعل نہیں۔

⑨ کسی کے ذمے واجب الادا چیز اسے ہبہ کی جا سکتی ہے۔

⑩ انسان اپنی مرضی سے کسی کو ہبہ کرتا ہے، اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

⑪ قانونِ ہبہ میں تمام اولاد، یعنی بیٹے اور بیٹیوں کا حصہ برابر برابر ہے، ان کے درمیان عدل و مساوات واجب ہے۔

❁ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''میری والدہ نے میرے والد سے مطالبہ کیا کہ مجھے اپنے مال سے کوئی چیز ہبہ کریں۔ (پہلے تو انہوں نے انکار کیا) بعد میں راضی ہو گئے اور مجھے وہ چیز ہبہ کر دی۔ والدہ نے کہا: جب تک آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ میں گواہ نہیں بنا لیتے، میں راضی نہیں ہوں گی۔ چنانچہ میرے والد میرا ہاتھ پکڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں ابھی نوعمر تھا۔ میرے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اس لڑکے کی والدہ (عمرہ) بنتِ رواحہ کہتی ہیں کہ میں اس لڑکے کو ایک چیز ہبہ کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس کے علاوہ بھی تمہاری کوئی اولاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یوں ارشاد فرمایا: مجھے ظلم پر گواہ مت بناؤ۔''

(صحيح البخاري : 2585، صحيح مسلم : 1623)

❁ صحیح مسلم (1623) میں ہے:

قَارِبُوا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ .

''اپنی اولاد کے مابین برابر تقسیم کرو۔''

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِي هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّهٗ يَنْبَغِي أَنْ يُّسَوِّيَ بَيْنَ أَوْلَادِهٖ فِي الْهِبَةِ، وَيَهِبُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ مِّثْلَ الْآخَرِ وَلَا يُفَضِّلُ، وَيُسَوِّي بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى .

''اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہبہ میں ساری اولاد کو برابر رکھا جائے، ہر ایک کو دوسرے کے مقابلے میں برابر کا ہبہ کیا جائے اور کسی کو زیادہ حصہ نہ دے، نیز اس میں مذکر و مؤنث کو برابر حصہ دیا جائے۔''(شرح صحیح مسلم : 6/6)

ثابت ہوا کہ بعض اولاد کو ہبہ کرنے اور بعض کو محروم کر دینے کو نبی کریم ﷺ نے ظلم اور جور قرار دیا ہے۔ یہ عدل و مساوات کے خلاف ہے اور ہرگز درست نہیں۔ تبھی تو نبی پاک ﷺ نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا ہے اور اولاد کے درمیان عدل کا حکم دیا ہے۔

(سوال): اگر بیوی اہل کتاب میں سے ہے، تو کیا اس کا نفقہ بھی مسلمان شوہر پر واجب ہے؟

(جواب): اہل کتاب بیوی کا نفقہ بھی مسلمان شوہر کے ذمہ ہے۔

(سوال): غلام کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

(جواب): غلام کا نفقہ اس کے مالک کے ذمہ ہے۔

(سوال): کیا جانوروں کا نفقہ بھی واجب ہے؟

(جواب): جانور جس کی ملکیت میں ہے، اس پر نفقہ واجب ہے۔ کسی مالک کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی پالتو جانور کو بھوکا یا پیاسا رکھے، بلکہ ضروری ہے کہ اس کے لیے معقول چارہ وغیرہ کا بندوبست کرے۔

(سوال): نفل سے کیا مراد ہے؟

(جواب): نفل سے مراد ہر وہ عمل ہے، جس کا کرنا ضروری نہ ہو، البتہ اجر و ثواب کا باعث ہو اور چھوڑنے پر گناہ نہ ہو۔

(سوال): وتر نفل نماز ہے یا واجب؟

(جواب): وتر نفل ہے، یہ سنت مؤکدہ ہے، اس کا ترک کرنا مناسب نہیں، البتہ یہ فرض کے درجہ میں نہیں ہے۔

❁ علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ (۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ عَامَّةُ الْفُقَهَاءِ : إِنَّ الْوِتْرَ سُنَّةٌ لِمَا أَنَّ كِتَابَ اللّٰهِ، وَالسُّنَنَ الْمُتَوَاتِرَةَ وَالْمَشْهُورَةَ مَا أَوْجَبَتْ زِيَادَةً عَلٰى خَمْسِ صَلَوَاتٍ .

''تمام فقہانے کہا ہے کہ وتر سنت ہے، کیونکہ قرآن کریم اور مشہور و متواتر سنت نے پانچ سے زائد نمازیں فرض نہیں کیں۔''

(بدائع الصّنائع في ترتيب الشّرائع :91/1)

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْوِتْرَ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَالصَّلَاةِ، وَلٰكِنَّهُ سُنَّةٌ، فَلَا تَدَعُوهُ .

''وتر فرض نہیں، بلکہ سنت ہے، البتہ آپ اسے چھوڑ یئے گا نہیں۔''

(مسند الإمام أحمد :107/1، سنن الدّارمي : 1620، واللفظ لهٗ، وسندهٗ حسنٌ)

❁ حافظ بوصیری رحمہ اللہ نے اس کی سند ''صحیح'' قرار دی ہے۔

(اتّحاف الخِيَرة المَهرة : 1732)

❁ عبدالرحمٰن بن ابوعمرہ رحمہ اللہ نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے وتر کی بابت سوال کیا، تو فرمایا:

أَمْرٌ حَسَنٌ، عَمِلَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ مِنْ بَعْدِهٖ، وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ .

''وتر اچھا عمل ہے، اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا، مسلمانوں نے بھی ادا کیا

ہے، تاہم واجب نہیں۔''

(المستدرك على الصّحيحين للحاكم :300/1، وسندهٗ حسنٌ)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1068) نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (300/1) نے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

(سوال): کیا فرعون اللہ تعالیٰ کو عرش پر سمجھتا تھا؟

(جواب): فرعون یہ بات جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو عرش پر مستوی سمجھتے ہیں، البتہ خود اس بات کا منکر تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس بات میں جھوٹا ثابت کرنا چاہتا تھا۔

امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) نے کیا خوب لکھا ہے:

''اربابِ عقل وخرد! اللہ کے آسمانوں کے اوپر ہونے کی ایک اور قرآنی دلیل سنیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ فرعون کو اس کے کفر اور سرکشی کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سکھا دی تھی۔ وہ گویا سمجھ گیا تھا کہ بشر کا خالق آسمانوں کے اوپر ہے۔ کیا آپ نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا، جو فرعون سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلٰى إِلٰهِ مُوسٰى﴾ (ہامان! میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرو، تاکہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ کو جھانکوں) معلوم ہوا کہ فرعون لعین نے ایک بلند عمارت کی تعمیر کا حکم دے کر گمان کیا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو جھانکے گا۔ فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اسے یہ بتایا تھا کہ ان کا ربّ تعالیٰ بلند و بالا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو صرف اس لئے جھٹلایا تھا تا کہ اپنی قوم کو بہلا سکے۔ اللہ کا

فرمان ہے کہ انہوں نے آیات الٰہی کا ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کیا تھا، حالانکہ ان کے دلوں میں ان کی سچائی کا یقین ہو چکا تھا۔ فرمان الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ گروہ فرعون نے اپنی زبانوں سے حق کا انکار کیا تھا، جبکہ ان کے دلوں میں اس کی صداقت کا یقین تھا۔ گویا فرعون نے اپنی قوم کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے جھوٹے ہونے کا دعویٰ کیا تھا، حالانکہ اس کا دل کلیم اللہ (سیدنا موسیٰ علیہ السلام) کو سچا جانتا تھا، جھوٹا نہیں سمجھتا تھا۔ .... خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام ستاروں، چاند اور سورج پر غور کرنے کے آغاز میں ہی جانتے تھے کہ ان کا خالق اپنی مخلوق سے بلند ہے۔ کیا آپ نے ان کا (چاند، ستاروں اور سورج کو) اپنا ربّ کہنا ملاحظہ نہیں کیا؟ انہوں نے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنے کے لیے نیچے کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ جب انہوں نے اپنے خالق کی معرفت چاہی، تو اس وقت انہیں یقین تھا کہ ان کا ربّ آسمانوں کے اوپر ہے، زمین میں نہیں۔''

(كتاب التّوحيد :1/263-264)

امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ (۲۸۰ھ) فرماتے ہیں:

''فرعون نے اپنے کفر اور سرکشی کے باوجود یہ جان لیا تھا کہ اللہ آسمانوں سے اوپر ہے۔ اسی لیے اس نے کہا: ہامان! ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کر، تا کہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ پر جھانکوں۔ اس آیت میں واضح بیان اور روشن دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو معرفت الٰہی کی دعوت اس طرح دیتے تھے کہ اللہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا اور یوں اللہ پر اطلاع پانے کا ارادہ کیا۔''

(الرّد على الجهمية، ص 23)

❁ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

كُذِّبَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَوْلِهٖ : إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ فَوْقَ السَّمَاوَاتِ .

''فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات میں جھٹلایا کہ اللہ آسمانوں کے اوپر ہے۔''

(الإبانة في أصول الدّيانة، ص 105)

❁ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''جس نے یہ کہا کہ عرش پر کوئی ربّ اور آسمانوں کے اوپر کوئی خالق نہیں، بلکہ وہاں عدمِ محض اور نفی صرف ہے، وہ معطّل ہے اور ربّ العالمین کا انکاری ہے۔ وہ فرعون کا ہم نوا ہے کہ جس نے کہا تھا: ''ہامان! ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کر، تا کہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ پر جھانکوں اور میں اسے سمجھتا تو جھوٹا ہی ہوں۔'' اہل سنت والجماعت اور اسلاف امت متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جُدا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی مخلوق نہیں، نہ مخلوق میں اس کی ذات کا کوئی حصہ ہے۔ اسی بات پر کتاب وسنت کی نصوص اور اسلاف امت وائمہ سنت کا اجماع ہے، بلکہ اس پر تمام پہلے اور بعد والے مؤمنوں اور اہل سنت والجماعت کا بھی اجماع ہے۔ اسلاف امت اس پر بھی متفق رہے ہیں کہ جو شخص استویٰ (مستوی ہونا) کا معنی استولیٰ (غالب ہونا) یا کچھ اور معنی کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے آسمانوں کے اوپر ہونے کی نفی ہو، تو وہ گمراہ جہمی ہے۔''

(الفتاوی الکبریٰ: 468/6)

۞ نیز فرماتے ہیں:

هٰؤُلَاءِ النُّفَاةُ يُوَافِقُونَ فِرْعَوْنَ فِي هٰذَا التَّكْذِيبِ لِمُوسٰى.

''یہ (اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کی) نفی کرنے والے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب میں فرعون کے ہم نوا ہیں۔''

(بيان تلبيس الجهمية في تاسيس بدعهم الكلامية، ص 354)

۞ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

''فرمان الٰہی کے مطابق فرعون نے ارادہ کیا تھا کہ آسمان کی طرف چڑھے اور موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کی طرف جھانکے، پھر موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس بات میں جھوٹا ثابت کرے کہ اللہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ اس نے کہا: (ہامان! ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کر، تا کہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ پر جھانکوں، میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔) چنانچہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کو جھٹلایا کہ ان کا ربّ آسمانوں کے اوپر ہے۔ جہمیوں کے نزدیک اللہ کو عرش پر قرار دینے اور اس کے لیے کھانا پینا ثابت کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے خیال میں فرعون نے اللہ کو اس بات سے پاک قرار دیا تھا، جو اس کے لائق نہیں تھی اور (نعوذ باللہ) موسیٰ علیہ السلام نے اس خبر میں جھوٹ بولا تھا، کیونکہ ان کے خیال میں وہ جھوٹا ہے، جو اللہ کو آسمانوں کے اوپر قرار دے۔ اس تکذیب میں وہ فرعون کے موافق ہیں اور موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیا کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اہل سنت نے ان لوگوں کو فرعونیوں کا نام دیا ہے۔ ائمہ اہل سنت کا

کہنا ہے کہ یہ لوگ جہمیوں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ جہمی تو اللہ کو ہر جگہ مانتے ہیں، جبکہ یہ لوگ ذات باری تعالیٰ کو بالکل معطل کرتے ہیں اور اس پر ایسے وصف کا اطلاق کرتے ہیں، جو عدم محض کے ہم معنی ہے۔ بنو آدم میں سے جس گروہ نے بھی ذات باری تعالیٰ کا اثبات کیا ہے، ان کی بات ان سے بہتر ہے۔''

(إعلام المؤقعين : 283/2)

۞ مزید فرماتے ہیں:

''فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی باتوں سے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ ایسے الٰہ کا اثبات کرتے ہیں، جو آسمانوں کے اوپر ہے، حتی کہ اس نے بلند عمارت کے ذریعے اللہ کو دیکھنے کا ارادہ بھی کیا اور اس بارے میں موسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ کا الزام بھی لگایا۔ جہمی یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ اپنی ذات کے ساتھ آسمانوں کے اوپر ہے۔ چنانچہ یہ لوگ فرعون سے کم عقل ہیں، بلکہ اس سے زیادہ گمراہ بھی ہیں۔''

(إجتماع الجيوش الإسلامية، ص 82)

۞ علامہ ابن ابی العز رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ نَفَى الْعُلُوَّ مِنَ الْجَهْمِيَّةِ فَهُوَ فِرْعَوْنِيٌّ، وَمَنْ أَثْبَتَهُ فَهُوَ مُوسَوِيٌّ مُحَمَّدِيٌّ.

''جو جہمی ذاتِ باری تعالیٰ کے بلند ہونے کا منکر ہے، وہ فرعونی ہے اور جو اس کا اثبات کرتا ہے، وہ موسوی اور محمدی ہے۔''

(شرح العقيدة الطَّحاوية، ص 186)

(سوال): کیا مرد اور عورت کے طریقہ نماز میں فرق ہے؟

(جواب): مرد وزن کے طریقہ نماز میں کوئی فرق نہیں۔

❁ فرمانِ نبوی ہے:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي .

''میری طرح نماز پڑھیں۔''(صحيح البخاري :631)

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان عام ہے۔ ہر مرد اور عورت کو شامل ہے۔کسی صحیح مرفوع یا موقوف روایت سے بھی مرد وعورت کے طریقہ نماز میں فرق ثابت نہیں ہے۔شریعت نے نماز کے بعض مسائل میں عورتوں کے لیے مخصوص احکام بیان کیے ہیں،مثلاً؛لباس،امام کو لقمہ دینے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا،امامت کی صورت میں صف کے درمیان میں کھڑے ہونا،صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونا،وغیرہ وغیرہ،لیکن یہ صورتیں شرعی دلائل کی روشنی میں مستثنیٰ کی گئی ہیں، نیز یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ ان کا طریقہ نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(سوال):اولیاء کی کرامات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب):اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کرامات اولیاء حق ہیں،خرق عادت کام جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو، یہ درحقیقت ولی کے لیے بشارت ہوتی ہے، جو اس کے ایمان کو بڑھاتی ہے،کرامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے کی تکریم اور اپنے دین کی نصرتِ عزیزہ ہے،اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت واضح ہوتی ہے۔

کرامت کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ علوم ومکاشفات۔ ۲۔ قدرت وتاثیر

علوم ومکاشفات میں ولی کو وہ علم حاصل ہوجاتا ہے، جو دوسروں کو نہیں ہوتا،بعض غیبی امور ولی پر منکشف ہوجاتے ہیں، جو دوسروں پر نہیں ہوتے،اسی طرح اسے وہ قدرت و تاثیر حاصل ہوجاتی ہے جو کسی دوسرے کو نہیں ہوتی۔

کرامات ہر زمانے میں مومنوں کے ہاتھوں ظاہر ہوتی رہی ہیں،قرآن مجید میں اصحاب کہف اور سیدہ مریم کی کرامات کا ذکر ہے، کتب حدیث ان سے لبریز ہیں، فرقہ جہمیہ،فلاسفہ اور معتزلہ ان کا منکر ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس سے ولی اور نبی، جادوگر اور ولی میں مشابہت ہوجاتی ہے، مشابہت والی بات تو نرا شبہہ ہے کیونکہ نبی کریم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے،کوئی ولی خود کو نبی نہیں کہتا، جادو شیطانی عمل ہے، جادو کا توڑ ہوجاتا ہے، جب کہ کرامت میں ایسا نہیں ہوتا۔

چند مقدماتی باتیں سمجھ لینی چاہئیں؛

① قبل از نبوت نبی کے ہاتھوں خارق عادت کام کا صدور ارہاص کہلاتا ہے، یہ نبوت کا مقدمہ ہوتا ہے، اصحاب فیل والا واقعہ اس کی دلیل ہے۔

② صالحین اور کمزور لوگوں کی وجہ سے لوگوں کو رزق ملتا ہے، اسے مونت کہتے ہیں۔

③ اہل ضلال میں سے جو جھوٹا مدعی نبوت ہو، اس کے ہاتھوں خرق عادت امور کا ظاہر ہونا اہانت کہلاتا ہے، جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں کئی خارق عادت کام ہوئے۔

④ اگر کسی گمراہ اور فاسق و فاجر سے کوئی خارق عادت کام ظاہر ہو، اسے استدراج کہتے ہیں، یہ جادو کی ایک قسم ہے، اسے شعوذت بھی کہتے ہیں۔

کرامات کی اساس و بنیاد ایمان اور تقوی ہوتا ہے اور جو اہل ضلال کے ہاتھوں خارق عادت کام ظاہر ہو اس کا سبب فسوق وعصیان ہوتا ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''اولیاء کی کرامات حق ہیں، اس پر ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے، اس مضمون کو قرآن نے کئی مواقع پر بیان کیا ہے، صحیح متواتر احادیث میں بھی وارد ہوا ہے، صحابہ و تابعین کے آثار اس پر شاہد ہیں، کرامات کا انکار اہل بدعت معتزلہ وجہمیہ وغیرہ ہی کرتے ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ کرامت کا دعوی کرنے والے یا جن کی طرف کرامات منسوب کی جاتی ہیں، جھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ کرامت عصمت کی دلیل نہیں ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ بعض خارق عادت چیزوں کا ظہور کفار اور جادوگروں سے بھی ہوگیا، کیوں کہ شیاطین ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ دجال آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا، وہ برسانے لگے گا، زمین سے کہے گا فصل اگا، وہ اگانے لگے گی، حتی کہ دجال ایک شخص کو قتل کر کے اس کو زندہ بھی کر دے گا، وہ سونے چاندی کے ذخائر نکال لائے گا، اسی لئے اہل سنت ائمہ اس چیز پر اتفاق رکھتے ہیں کہ دجال بھلے ہواوں میں اڑنے لگے، پانیوں میں تیرنے لگے، اس کی ولایت ثابت نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اس کا مسلمان ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کا اسلام کے اوامر ونواہی پر عامل ہونا ثابت نہ ہو جاوے۔''

(مختصر فتاوی المِصريّة، ص 600)

❁ نیز فرماتے ہیں:

كَرَامَاتُ أَوْلِيَاءِ اللّٰهُ إِنَّمَا حَصَلَتْ بِبَرَكَةِ اتِّبَاعِ رَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''اولیا کو کرامات رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی برکت سے حاصل ہوتی ہیں۔''

(مَجموع الفتاوی :275/11)

❁ نیز فرماتے ہیں:

''پہلے والے معتزلہ یہ خیال کرتے تھے کہ خارق عادت فعل کا ظہور پذیر ہونا صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے، اور یہ ایک نبی کی سچائی کی دلیل ہے، ایک خارق عادت کام کا ظہور صرف ایک نبی سے ہوسکتا ہے، اسی نظریے کی بنا پر وہ لوگ جادو کی تاثیر کو نہیں مانتے تھے، وہ کہتے تھے کہ صرف جادو سے موت یا بیماری واقع نہیں ہوتی، وہ لوگ کہانت کے منکر تھے، اس بات سے بھی انکار کرتے تھے کہ جن بعض غیب کی خبریں دیتے ہوں گے اور اسی طرح اولیاء کے کرامات کا بھی انکار کیا کرتے تھے۔''

(النُّبوّات :174/1)

❁ نیز فرماتے ہیں:

''بے شمار افراد اس بات کا تجربہ کر چکے ہیں کہ ان چیزوں کی ایک واقعی تاثیر بہر حال موجود ہے، ان کے ذریعے شیاطین کو بھگایا جاتا، ان کے احوال کا ابطال کیا جاتا، انسان کو اگر شیطان چمٹ جائے تو اس کے ذریعے دور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کا شر بھی ختم کیا جاسکتا، جن کے شر پھیلانے میں شیاطین ان کی مدد کرتے ہیں، جیسا کہ ظالمین یا اسی طرح ارباب سماع، یا وہ لوگ جو تالیاں پیٹتے اور حال میں چلے جاتے وغیرہ، تو جب صدق دل کے ساتھ ان پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، شیطان ان سے بھاگ لیتا ہے، اس طرح

شیطان کے بھائیوں کے مکاشفے اور تصرفات کا توڑ ہو جاتا ہے، کیونکہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں، جسے جاہل لوگ اولیاء کی کرامات سمجھ بیٹھتے ہیں۔''

(مجموع الفتاویٰ: 55/19)

❁ نیز فرماتے ہیں:

''کرامت کسی انسان کے معصوم ہونے کی دلیل نہیں ہے، صالحین کی کرامات سے دین نبوی کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے، لیکن کرامت لانے والا شخص معصوم نہیں ہوتا اور نہ ایسا ہے کہ کرامت لانے والے کی ہر بات کو درست مان لیا جائے، اس باب میں نصاریٰ گمراہ ہوئے، کیوں کہ ان کے راہبوں کے ہاتھوں بھی کرامات کا ظہور ہو جاتا تھا، تو وہ لوگ اس راہب کو معصوم مان لیتے تھے، وہ ان کے ہر قول و فعل کو انبیا کے قوال وافعال کی طرح اسوہ تسلیم کر لیتے، اور یہ بات غلط ہے، کیوں کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور معجزہ اس کی سچائی کی دلیل۔ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں صدور ہو جانے والی کرامت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ لوگ بھی معصوم ہی ہیں۔''

(النُّبُوات: 143/1، مَجموع الفتاویٰ: 274/11)

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

''معتزلہ کرامت کے منکر ہیں اور ان کا یہ نظریہ صریح باطل نظریہ ہے، کرامت کا انکار تو ایسے ہی ہے، جیسے کوئی محسوسات کا انکار کر دیتا ہے، معتزلہ اس پر اعتراض کھڑا کرتے ہیں کہ اگر کرامت جائز مان لی جائے تو اس کا نبوت سے

التباس ہو جائے گا۔ تو ان کی یہ بات درست نہیں ہے، کیوں کہ نبوت سے
التباس تو تب ہو جب ولی یہ کہے کہ میں نبی ہوں اور ایک خارق عادت فعل کا
ظہور بھی اس سے ہو جائے، یہ فی الواقع ہوتا نہیں، کیوں کہ ایک ولی جب
نبوت کا دعوی کرے گا تو وہ ولی رہے گا ہی نہیں، بلکہ کذاب متنبّی بن جائے گا۔"

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 498)